زکوٰۃ کے علاوہ ٹیکس لگانے کا حکومتی استحقاق

پروفیسر محمد عبداللہ ملک گورنمنٹ کالج فیصل آباد

زکوۃ کے متعلق پہلی بات یہ سمجھنی ضروری ہے کہ یہ ٹیکس نہیں بلکہ ایک عبادت اور رکن اسلام ہے۔ اس لئے حکومت لوگوں سے ٹیکس لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب زکوۃ کی ضرورت باقی نہیں رہی اور اسے اپنے Taxation کے نظام کی جگہ نکالنے کے لئے مناسب ترمیمات کرنی ہوں گی۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ حکومت کے موجودہ ٹیکسوں میں کوئی ٹیکس نہ ان مقاصد کے لئے لگایا جاتا ہے اور نہ ان طریقوں سے صرف کیا جاتا ہے جو قرآن میں زکوۃ کے متعلق مقرر کئے گئے ہیں۔ اس لئے زکوۃ کو حکومت کے ٹیکسوں کے ساتھ خلط ملط کرنا ہر لحاظ سے غلط ہے۔ ان دونوں کے مصارف بھی جدا جدا ہیں۔ (۱)

تعریفات ٹیکس

انسائیکلوپیڈیا امریکنا میں ٹیکس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

☆ وہ ضروری ادائیگیاں جو حکومت کو خدمت عامہ کی غرض سے دی جاتی ہیں ٹیکس کہلاتی ہیں۔

Taxaes are com payments to the goverment to support the public sevices. (2)

☆ ڈاکٹر جی۔فنڈ کے نزدیک ٹیکس وہ لازمی چندہ ہے جو حکام مجاز کو اس غرض سے ادا کیا جاتا ہے کہ حکومت نے مفاد عامہ پر جو اخراجات صرف کئے ہیں ان کی کفالت ہو سکے۔

Tax are compulsory contribution to public authorities to meet the general expenses of Government which have been incurred for the public good. (3)

☆ راجہ آئی چلیا یوں رقمطراز ہیں کہ یہ حاکم مجاز کو ادا کی جانے والی وہ لازمی ادائیگی ہے جس میں ادا کنندہ کو کوئی قابل پیائش اور براہ راست نفع حاصل نہیں ہوتا۔

A Tax has been defined as a compulsory payment to a public authority in return for which the tax payer recieves no measurable direct benifit. (4)

مصارف ٹیکس

ٹیکس کے مصارف میں دفاع، پولیس، تعلیم، عدالتیں، صحت عامہ، ذرائع رسل و رسائل، نظم و نسق عامہ، آبپاشی، خیراتی ادارے، بے روزگار کی امداد، تفریح گاہیں اور لائبریریاں ہیں۔

زکوۃ اور موجودہ ٹیکس اپنے بعض مقاصد و دائرہ کار میں ایک دوسرے سے خاصے جدا جدا ہیں اور ان کے نصاب شرح اور مصارف میں خاصہ فرق ہے۔ زکوۃ کے اندر یہ امتیازات موجود ہیں کہ اس کی ادائیگی میں عبادت کا تصور رحمت کا حصول، سخاوت کا ملکہ، ایثار کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ نیز دونوں کے مصارف بھی الگ الگ ہیں۔ اس لئے نہ ہی یہ ایک دوسرے کی جگہ لے سکتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کو ساقط کر سکتے ہیں۔

زکوۃ اور انکم ٹیکس کا فرق بیان کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"کہ حکومت ٹیکس لے کر اپنے کاموں میں خرچ کرتی ہے اور اسلام ٹیکس کی رقمیں غرباء و مساکین اور محتاجوں میں تقسیم کرا دیتا ہے۔" (۵)

اسلامی ریاست کی اجتماعی و فلاحی سکیموں اور منصوبوں کے لئے اسلام کے مالیاتی نظام میں دس بارہ قسم کے ذرائع آمدنی مروج رہے ہیں۔ لیکن اسلامی ریاست کو ان کے علاوہ اور ہنگامی ٹیکس بوقت ضرورت عائد کرنے کی مشروط اجازت بھی ہے۔ ان ٹیکسوں کو فقہی اصطلاح میں "ضرائب و نوائب" کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے:

ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو۔

(البقرہ ۲:۲۱۹)

ترجمہ:۔ اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپ کہہ دیجئے کہ جو ضرورت سے زائد ہو۔

اس آیت قرآنیہ میں اللہ کے راستے میں

ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کی رضاکارانہ طور پر ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح :

"وفی اموالھم حق للسائل والمحروم"

ترجمہ :۔ ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور تنگ دستوں کا حق ہے۔ (الذاریات ۱۹)

اس آیت قرآنی میں بھی صاحب ثروت لوگوں کے مالوں میں سوالیوں اور تنگ دستوں کے حق سے مراد زکواۃ ہی ہے۔

ڈاکٹر نور محمد غفاری نے ابو عبید قاسم بن سلام کے حوالے سے حکومت کے اس حق کے جواز میں یہ حدیث پیش کی ہے۔

عن عمر رضی اللہ عنہ انہ قال! فی مالک حق سوی الزکوۃ۔ (۶)

ترجمہ :۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ تیرے مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

سید قطب شہید نے ترمذی کے حوالے سے اسی حدیث کو یوں نقل کیا ہے:

"ان فی المال حقا سوی الزکوۃ۔"

اور اس سے زکوۃ کے علاوہ حکومت کو ٹیکس لگانے کے اختیار کے حق میں استدلال کیا ہے۔ دوران تخریج اس حدیث کے متعلق یہ حقائق سامنے آئے ہیں۔ سنن دارمی میں اس حدیث کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

"اخبرنا محمد بن الطفیل حدثنا شریک بن ابی حمزہ عن عامر بن فاطمہ بنت القیس قالت سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان فی اموالکم حقا سوی الزکوۃ۔ (۷)

ترجمہ :۔ ہمیں محمد بن طفیل نے خبر دی ہے کہ ہم سے شریک بن ابی حمزہ نے عامر بن فاطمہ بنت قیس سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ بے شک تمہارے مالوں میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

مولانا عبدالرحمان مبارکپوری نے ترمذی شریف کی ان احادیث کے متعلق لکھا ہے کہ :

"ان فی المال لحقا سوی الزکوۃ" اور "وان فی المال حقا سوی الزکوۃ"

> جس ملک کے حقدار بھوکے، ننگے اور خستہ حال ہیں وہ اس بات کی علامت ہیں کہ ان کے اغنیاء اپنے فرض میں کوتاہی برتتے ہیں۔ حضرت علیؓ

یہ ابو حمزہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ پھر فرماتے ہیں :

قال احمد بن حنبل ھذا متروک الحدیث وقال الدارقطنی ضعیف و قال البخاری لیس بقوی عندھم و قال النسائی لیس بثقۃ کذافی المیزان۔ (۸)

ترجمہ :۔ احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث متروک ہے اور دار قطنی نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ان کے نزدیک یہ حدیث قوی نہ ہے اور امام نسائیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث میزان میں ثقہ نہیں ہے۔

علامہ ابن العربی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

واذا کان الحدیث ضعیفا فلا یشتغل بہ وقال ابوحمزہ میمون الاعور وھو ضعیف۔ (۹)

ترجمہ :۔ اور جب حدیث ضعیف ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جاتا اور ابو حمزہ میمون الاعور نے کہا کہ وہ ضعیف حدیث ہے۔

اسی طرح مولانا محمد یوسف بنوری نے اس حدیث کے متعلق انور شاہ کشمیری کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے۔

"قال الشیخ (انور شاہ کشمیری) ان فی المال حق سوی الزکوۃ ولکنہ غیر منضبط۔" (۱۰)

ترجمہ :۔ شیخ (انور شاہ کشمیری) فرماتے ہیں کہ "بے شک تیرے مال میں زکوۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے اور لیکن یہ حدیث غیر منضبط ہے۔

محمد بن عبداللہ علوی نے بھی اس حدیث کو سنن ابی ماجہ کی شرح میں اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے مگر اس کے الفاظ یہ ہیں:

لیس فی المال حق سوی الزکوۃ۔

کہ زکوۃ کے علاوہ مسلمانوں کے مالوں میں کوئی اور حق (واجب) نہیں۔ لیکن یہ حدیث مضطرب ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہے۔ کیونکہ اسی سند کے ساتھ دوسری حدیث میں مال میں زکوۃ کے علاوہ اور حق بھی آیا ہے۔ سند ایک ہونے کے باوجود دونوں احادیث متعارض نظر آتی ہیں۔ (۱۱)

امام جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ :

و مثال الاضطراب فی المتن : فیما اوردہ العراقی: حدیث فاطمہ بنت قیس قالت: سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الزکوۃ فقال ان فی المال لحقا سوی الزکوۃ رواہ الترمذی ھکذا من روایۃ شریک عن ابی حمزہ عن الشطبی عن فاطمہ و رواہ ابن ماجہ من ھذا الوجہ بلفظ: لیس فی المال حق سوی الزکوۃ قال ھذا اضطراب لا یحتمل التاویل۔ (۱۲)

ترجمہ :۔ متن میں اضطراب کی مثال یہ ہے کہ عراقی میں وارد ہے کہ فاطمہ بنت قیس کی حدیث میں آیا ہے کہ اس نے کہا کہ نبی اکرم سے زکوۃ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ بے شک مال میں حق ہے زکوۃ کے علاوہ : امام ترمذی نے اس کو شریک بن ابی حمزہ اور انہوں نے شاطبی سے اور انہوں نے فاطمہ سے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اس سند سے اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ "مال میں زکوۃ کے علاوہ اور کوئی حق (لازم) نہیں ہے" اور کہا کہ یہ اضطراب ہے اور اس کی تاویل کا بھی احتمال نہیں کیا جا سکتا۔

زکواۃ کے علاوہ دیگر ٹیکس لگانے کے حکومتی استحقاق کی تائید میں ابن حزم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ بلا شبہ اللہ تعالی نے اغنیاء کے مالوں میں اس قدر فرض کر دیا ہے کہ ان کے فقراء کی کفالت ہو سکے۔ پس اگر حقدار بھوکے ہیں، یا ننگے اور خستہ حال ہیں تو اس کا سبب یہی ہو گا کہ اغنیاء اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی برتتے ہیں۔

عن علی ابن ابی طالب یقول ان اللہ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقرآءھم فان جاعوا اوعروا جھدوا فبمنع الاغنیاء۔

ابو عبید قاسم بن سلام کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی حق میں ہیں۔ فقہاء کرام میں عطا ابن ابی رباح، امام شیخ طاؤس، حماد بن سلمہ اور ابوعبیدہ کا بھی یہی مسلک ہے ابن حزم نے تو یہاں تک تحریر کیا ہے:

و فرض علی الاغنیآء من اھل کل بلدان ان یقوموا بفقرائھم و یجبرھم السلطان علی ذالک ان لم تقیم الزکوۃ بھم۔ (۱۳)

ترجمہ :۔ اور ہر شہر کے مالدار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے محتاجوں کی کفالت کریں اور سلطان انہیں اس بات پر مجبور کر سکتا ہے بشرطیکہ زکوۃ کی آمدنی اس مقصد کے لئے ناکافی ہو۔

اسی طرح کے ضرائب کی مثال غزوہ تبوک کے لئے آنحضرتؐ کا صحابہ کرامؓ سے چندہ لینا ہے۔ جس کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے گھر کا سارا مال پیش کر دیا تھا۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے انہیں گھر کا سارا سامان دینے کا حکم ہرگز نہیں دیا تھا۔ انہوں نے رضاکارانہ طور پر اللہ تعالی کی خوشنودی کے لئے آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔

اس واقعہ کے پیش نظر فقہائے اسلام کے نزدیک ناگہانی صورت حال مثلاً حادثہ، جہاد، قحط و سیلاب وغیرہ کی صورت میں سرکاری خزانہ کی مدد کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ بن جاتا ہے اور اگر ضرورت ایسی ہو کہ کسی خاص علاقہ کے لئے مخصوص ہو تو اس کی ذمہ داری عام نہیں ہو گی۔

اسی طرح ایسے جدید محاصل جو جائز طور پر لگائے گئے ہوں جیسے مشترکہ نہر کھودنے کے لئے یا پہرے دار کی اجرت کے لئے یا اسلامی فوج کو اسلحہ سے لیس کرنے کے لئے، جنگی قیدیوں کے لئے یا اس طرح کے دیگر رفاہی کاموں کے لئے تو ایسے محاصل کی ادائیگی بالاتفاق جائز ہے۔

ان ٹیکسوں کی ضرورت پر علامہ ابن ہمامؒ نے اپنی رائے یوں پیش کی ہے کہ :

"ایسے نئے محصول کی ادائیگی صاحب استطاعت مسلمان پر واجب ہے کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت ہر ایسے امر میں واجب ہے جس میں مسلمانوں کی بھلائی ہو۔ (۱۴)

حکمران وقت ضرورت اور وقت کے تحت ایسا ٹیکس عائد کر سکتا ہے جس کا مقصد ریاست کا تحفظ اور قوم کی قوت ہو۔ (شیخ شلتوتؒ)

البتہ ایسے محاصل جو مفاد عامہ کے لئے نہ ہوں ان کی ادائیگی میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ الماوردی نے جائز ٹیکسوں کے لئے حاکم وقت کے ساتھ تعاون کے سلسلے میں یہ نہایت بلیغ جملہ کہا ہے:

لان الزیادۃ ظلم فی حقوق الرعیۃ و النقصان ظلم فی حقوق بیت المال۔ (۱۵)

ترجمہ :۔ کیونکہ زیادتی رعایا کے حقوق پر ظلم اور کمی بیت المال کے حقوق پر ظلم ہے۔

گویا مذکورہ مفاد عامہ اور آسمانی آفتوں کی صورت میں یہی نکتہ و مقصد کارفرما ہے کہ اگر ان ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے سرکاری خزانہ میں اتنی رقم موجود نہ ہو تو عوام پر حکمرانوں کا ٹیکس لگانا یا چندہ کی اپیل کرنا جائز ہے کیونکہ ایسے جدید ضرائب صرف مصیبت اور جہاد میں اعانت کرنے کی خاطر ہی لگائے جا سکتے ہیں۔

سید قطب شہیدؒ "زکوۃ کے علاوہ دوسرے محاصل" کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ زکوۃ وہ واحد حق نہیں جو مال میں عائد ہوتا ہو۔ درحقیقت زکوۃ مال و دولت پر لگائے جانے والے ٹیکس کی ادنی ترین شرح ہے اور یہ ان حالات کے لئے ہے جب جماعت کو محاصل زکوۃ کے بعد مزید فنڈ کی ضرورت نہ پڑے۔ ایسے حالات میں جبکہ زکوۃ کی آمدنی ناکافی ہو۔ اسلام کے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں۔ اس لئے شریعت اسلامی کو نافذ کرنے والے صاحب امر کو سرمایہ پر ٹیکس لگانے کے وسیع اختیار دیئے گئے ہیں وہ سرمایہ میں سے اس قدر طلب کر لینے کا مجاز ہے جس قدر کہ اصلاح حال کے لئے ضروری ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں وہی حدیث بیان کی ہے۔

ان فی المال حقا سوی الزکوۃ۔

بہرحال اس حدیث کو ٹیکس کے جواز اور عدم جواز دونوں کے لئے حجت اور دلیل نہیں بنایا جا سکتا ہے کیونکہ یہ ضعیف، متروک، غیر قوی، غیر منضبط اور مضطرب حدیث ہے۔ اس کا تفصیلی بیان اس فصل کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

اسلامی قانون سازی میں "مصالح مرسلہ" اور "سد ذرائع" کے اصول اپنے اندر اتنی وسعت رکھتے ہیں کہ ان کے تحت ہر طرح کے سماجی مصالح کا حصول اور ہر طرح کے مضر کاموں کا ازالہ ممکن ہے۔ لہٰذا مصالح مرسلہ کے مفہوم و وسعت کے متعلق چند وضاحتیں پیش کرنا نہایت ضروری ہے۔

"مصالح مرسلہ" وہ مصالح یعنی اچھے کام جن کے شرعا معتبر ہونے پر کتاب و سنت کی کوئی نص دلالت نہ کرتی ہو مصالح مرسلہ کہلاتے ہیں۔ یہ بات فقہا کے نزدیک مختلف فیہ ہے کہ ان مصالح کا اعتبار و لحاظ اسلام کے بنیادی

اصولوں میں سے ہے کہ نہیں۔ بلا استثناء تمام ثقہ فقہا نے ان مصالح کو ملحوظ رکھا ہے اور انہیں دلیل کے طور پر استعمال بھی کیا ہے اگرچہ ان میں سے اکثریت نے مصالح مرسلہ کو ایک بنیادی اصول تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔

کئی لوگ مصلحت مرسلہ کا انکار کرتے ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ جب بھی فقہاء دو ہم جنس (ایک جیسے) امور میں مختلف امور تجویز کرتے ہیں یا دو مختلف امور کو ایک ہی حکم کے تحت قرار دیتے ہیں تو مطلق مصلحت کا اعتبار کرتے ہیں۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں مصالح مرسلہ پر اعتبار کرنا کہا جاتا ہے۔ (۱٦)

مذکورہ بالا آراء کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ معتدل رائے ہی اقرب الی الصوب نظر آتی ہے کہ مصالح مرسلہ کا اعتبار صرف ان امور میں کیا جائے گا جن میں نص قطعی وارد نہ ہوئی ہو۔ لہٰذا مسائل عامہ میں مصلحت مرسلہ کی ایک بقدر ضرورت فنڈ موجود نہ ہو تو حکمران مال داروں پر بقدر ضرورت ٹیکس عائد کر سکتا ہے۔ جب تک کہ خزانہ میں دوسری مدات سے کچھ آمدنی بقدر ضرورت نہ آ جائے یہ طریقہ اختیار کرنا انتہائی معقول نظر آتا ہے۔

البتہ مسلمان حکمران کو چاہئے کہ یہ ٹیکس فصل کٹنے اور پھلوں کے توڑے جانے کے وقت وصول کرے تاکہ اس کی ادائیگی رعایا کے لئے آسان اور کسی قسم کی بددلی' غلط فہمی اور مخالفت نہ پیدا ہو سکے۔

زرعی ٹیکس سے متعلق علماء و فقہائے کرام کی آراء

فقہاء کے مابین عہد قدیم سے یہ اختلاف موجود ہے کہ کیا زکوۃ کے علاوہ بھی اسلامی حکومت کوئی حق وصول کر سکتی ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ اگر زکوۃ کی مقررہ شرح ثابت اور ناقابل تغیر نہ ہوتی تو اس اختلاف کی کوئی بھی وجہ نہیں تھی۔ اس اختلاف سے یہی پتہ چلتا ہے کہ زکوۃ کی مقررہ شرح ثابت اور غیر متغیر ہے اور اسی لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور حق (Tax) عائد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں متعدد فقہائے کرام کی آراء پیش کی جا رہی ہیں تاکہ ان کی روشنی میں یہ معمہ مناسب طریقے سے حل ہو سکے۔

> **تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب بھی اسلام کا نظام عشر و زکوۃ نافذ ہوا نہ غربت رہی نہ ضرورت ٹیکس**

جسٹس محمد کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں کہ "اسلام میں مسلمانوں پر عشر (اور بعض مخصوص صورتوں میں خراج بھی) واجب ہے جبکہ خراج غیر مسلموں پر حکومت کی طرف سے واجب ہے۔ کیونکہ عشر دراصل زمینی پیداوار کی زکوۃ ہے اور یہ مسلمانوں کی ہی پیداوار پر لازم ہے اور کوئی غیر مسلم اس عبادت کا اہل نہیں ہے۔ لہٰذا غیر مسلموں پر لگایا جانے والا ٹیکس دراصل "اجرت ارض" یعنی زمین کے استعمال و تصرف کا کرایہ ہے۔ باقی رہا مسئلہ زرعی ٹیکس کے جواز و عدم جواز کا تو اس ضمن میں عرض ہے کہ یہ سب پر واضح ہے کہ مسلمانوں پر زکوۃ فرض کے علاوہ ٹیکس کے چند مخصوص حالات میں چند شرائط کے ساتھ ہی لگانے کا حکمرانوں کو اختیار ہے۔ سب سے پہلے ضروری ہے کہ زکوۃ الارض (عشر) کے آفاقی نظام کو مستحکم بنایا جائے اور پھر اس کے ثمرات و آمدنی کو جانچنے کے بعد کہ آیا یہ سرمایہ حکومتی جائز ضرورت کو پورا کر سکتا ہے تو ٹھیک ورنہ ہنگامی اور غیر دوامی (Interim) زرعی ٹیکس لگایا جائے اور خزانہ میں دوسری مدات سے آمدنی ہو جانے یا ناگہانی آفت کے ٹل جانے کی صورت میں وہ ٹیکس ختم کر دیا جائے۔

دوسرا مسئلہ رہا زرعی دولت ٹیکس یا زرعی آمدنی ٹیکس کا تو جہاں تک میرے علم میں ہے زرعی دولت ٹیکس تو سراسر غیر شرعی ہے البتہ عشر سے زرعی آمدنی پر زکوۃ کی مثل زرعی آمدنی پر ہی عارضی ٹیکس لگایا جا سکتا ہے۔ جبکہ اس کے مصرف کا یقین مصالح مرسلہ سے مطابقت رکھتا ہو۔"

مولانا عبدالمالک صاحب نے اس سلسلے میں خط کے جواب میں لکھا کہ:

عشری زمینوں پر عشر واجب ہو گا۔ خراجی زمینوں پر خراج یعنی زمین کی پیداواری صلاحیت کو دیکھ کر اس پر ایک مقررہ ٹیکس عائد کر دیا جائے۔ عشر مسلمانوں پر واجب ہے جبکہ خراج مقاسمہ و خراج موظف غیر مسلموں پر۔

اگر ضرورت نہ پڑے تو مقررہ ڈیوٹی پر ہی اکتفا کیا جائے۔ اگر ضرورت ہو تو پھر مزید ٹیکس لگائے جا سکتے ہیں۔ زمین پر ٹیکس پیداوار ہی کے مناسب حصہ کی صورت میں یا زیادہ پیداوار والی زمین پر زیادہ اور کم پیداوار والی زمین پر کم لگایا جائے۔ لیکن زمین کی مالیت کی تشخیص کر کے اس کے مطابق ٹیکس لگانا درست نہیں یعنی یہ ٹیکس کہ زرعی زمین ایک مربعہ (۲۵ ایکڑ) ہے اس کی مالیت پانچ لاکھ ہے تو اس طریقہ سے زمیندار سے ایک مرتبہ ہی اتنا ٹیکس وصول کر لیا جائے گا کہ مالک زمین پانچ دس سال تک اس بوجھ کے نیچے دبا رہے گا اور پھر سال بہ سال ٹیکس ادا کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہو گا۔ اس لئے زمین پر ڈیوٹی کی وہی شکلیں درست ہیں جو پہلے سے اسلام میں رائج ہیں۔ موجودہ حکومتیں زرعی سرمایہ پر اس طرح سے ٹیکس لگائیں کہ زمین کی مالیت کو پیش نظر رکھیں اور پیداوار کے حساب سے ٹیکس نہ لگائیں تو یہ طریقہ درست نہ ہوگا۔

پروفیسر غلام سرور مرحوم نے قانون زکوۃ و عشر چند "شبہات کا ازالہ" کے عنوان کے تحت

اس سوال کہ کیا قانون زکوۃ عشر کے نفاذ کے بعد کسی نئے ٹیکس خصوصاً آمدنی ٹیکس اور دولت ٹیکس کی وصولی جائز ہے؟ کے جواب میں لکھا ہے:

جی ہاں! بالکل جائز ہے۔ زکوۃ کا نصاب اس کی شرح اور اس کے مصارف قطعاً متعین ہیں۔ ان میں کسی قسم کی ترمیم ممکن نہیں۔ لہذا اگر حکومت کو دوسری ضرورت کے لئے مالی وسائل کی ضرورت ہو تو وہ ایسے وسائل قوم سے حاصل کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اگر یہ حصول لازما ہو تو ٹیکس ہے اور رضاکارانہ ہو تو عطیہ ہے اور اگر بشرط واپسی ہو تو قرض ہے زکوۃ اور ٹیکس نہ ایک دوسرے کی جگہ لے سکتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کو ساقط کر سکتے ہیں۔ اصولی اور عملی اعتبار سے زکوۃ اور ٹیکس کے فرق کے بارے میں درج ذیل نکات قابل غور ہیں:

زکوۃ مالی عبادت ہے جو مسلمانوں پر اللہ تعالی کی طرف سے فرض ہے۔ ٹیکس حکومت وقت اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے لگاتی ہے۔ زکوۃ کبھی ساقط نہیں ہو سکتی۔ ٹیکس لگ بھی سکتا ہے اور مٹ بھی سکتا ہے۔ زکوۃ کا نصاب اور شرح متعین ہے ان میں قطعا کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ٹیکس کی حد اور شرح گھٹ بڑھ سکتی ہے۔ مصارف زکوۃ مخصوص ہیں' ٹیکس کو حکومت اپنی ملکی ضروریات پر صرف کر سکتی ہے۔ (۱۷)

مولانا محمد تقی امینی لکھتے ہیں:

ہر حکومت کو نظام حکومت چلانے کے لئے خزانہ کی ضرورت ہوتی ہے اور خزانہ کی آمدنی کا ذریعہ بالعموم ٹیکس ہوتا ہے جو عام لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ یہ ٹیکس بہت سے چیزوں پر لگایا جاتا ہے جس کی وصولی و تحصیل کے لئے مختلف قواعد و ضوابط مقرر ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں سے زیادہ اہم ٹیکس وہ ہوتا ہے جو زمین پر لگایا جاتا ہے اور اس سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ کاشتکاروں کی آمدنی کا کچھ حصہ ایک جگہ جمع کر کے حکومت اسے مفاد عامہ کے کاموں میں خرچ کرے اور لوگوں کا عام معیار بلند ہو۔ (۱۸)

> **اگر نظام حکومت درست ہو جائے تو موجودہ ٹیکسوں کا ایک چوتھائی حصہ بھی کفالت کرے گا اور افادیت بھی چار پانچ گنا زیادہ ہوگی۔**

علامہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اپنی رائے دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جہاں تک عصری و اجتماعی ضروریات کی کفالت کا تعلق ہے اور جدید دور کی حکومت کے ضروری مصارف کو پورا کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لئے زکوۃ کے علاوہ اور ٹیکس بھی عائد کئے جا سکتے ہیں۔ اس لئے دور جدید کی ریاستیں اپنے باشندوں پر جائیداد ٹیکس عائد کرتی ہیں اور یہ ٹیکس بطور سزا نہیں ہوتا ہے بلکہ اس ٹیکس کی ادائیگی سے صاحب جائیداد لوگ حکومتی کاموں میں حصہ دار بنتے ہیں۔

اس کے علاوہ دولت ٹیکس کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ واقعی صورت حال یہ ہے کہ آج کی حکومتیں عام زرعی زمینوں پر خاص جائیداد ٹیکس (Wealth Tax) عائد کرتی ہیں اور اس میں زمین کے عشری اور غیر عشری ہونے کو بھی بعض اوقات مدنظر نہیں رکھتیں۔ عملی طور پر بھی یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہر مسلمان کی ملکیتی زمین کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر عائد کیا جائے اور جائیداد ٹیکس ہر وہ شخص ادا کرے جو زمین کا مالک ہے۔ (۱۹)

شیخ محمد شلتوت نے بھی اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حکمران ضرورت اور وقت کے تقاضے کے تحت مسلمانوں اور غیر مسلموں پر ایسا ٹیکس عائد کر سکتا ہے جس کا مقصد ریاست کا تحفظ اور قوم کی قوت ہو۔ اور اللہ تعالی کے واجب کردہ صدقات اور زکوۃ وغیرہ اس قسم کے ٹیکس سے مانع نہیں۔ (۲۰)

سید ابوالاعلی مودودی اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں:

اسلام میں زکوۃ وصول کرنے کے ساتھ ساتھ انکم ٹیکس عائد کرنا جائز ہے کیونکہ اسلامی ریاست میں یہ دونوں چیزیں جائز ہو سکتی ہیں۔ زکوۃ کے مصارف بالکل متعین ہیں۔ اسی طرح اس کا نصاب اور اس کی شرح بھی نبیؐ نے متعین فرما دی ہے۔ ان امور میں کوئی ترمیم و تنسیخ جائز نہیں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ریاست کو اگر دوسری مزید ضروریات درپیش ہوں تو وہ ان کے لئے قوم سے مالی مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔ اگر یہ وصولی جبری ہو تو ٹیکس اور اگر رضاکارانہ ہو تو چندہ ہے اور واپسی کی شرط ہو تو قرض (Line) ہے۔ زکوۃ اور یہ دوسری قسم کی وصولیاں نہ ایک دوسرے کی جگہ لے سکتی ہیں اور نہ ایک دوسرے کو ساقط کر سکتی ہیں۔ اگر ہمارے ملک میں ایک صحیح اسلامی حکومت قائم ہو جائے اور دیانتداری سے اس کا نظام چلایا جائے تو اتنے ٹیکسوں کی ضرورت باقی نہیں رہے گی جتنے آج موجود ہیں۔ موجودہ زمانے میں ٹیکسوں کے معاملے میں جتنی بدعنوانیاں اور بددیانتیاں ہوتی ہیں وہ سب جانتے ہیں۔ ایک طرف تو جس مقصد کے لئے ٹیکس لگایا جاتا ہے اسکا بمشکل دس فیصدی اس مقصد پر صرف ہوتا ہے دوسری طرف ٹیکسوں سے بچنے کے لئے (Evasion) کی ایک عام ذہنیت پیدا ہو گئی ہے۔ اگر نظام حکومت درست ہو جائے تو موجودہ ٹیکسوں کا ایک چوتھائی حصہ بھی کفالت کرے گا اور افادیت بھی چار پانچ گنا زیادہ ہو جائے گی۔ (۲۰ الف)

جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے مفتیان اکرام کی رائے یہ ہے کہ حکومت نظام و انصرام کے لئے رعایا پر ٹیکس عائد کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ رعایا اس

بوجھ کو برداشت کرنے کی ہمت رکھتی ہو اور حکومت بھی اس کو مناسب مقام پر خرچ کرے۔

دارالعلوم کراچی کے مفتی صاحبان کی رائے یہ ہے کہ:

عشر کی ادائیگی کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اس لئے اس کا ادا کرنا تو ہر حال میں ضروری ہے۔

البتہ زمینداروں اور کاشتکاروں کو سہولتیں مہیا کرنے اور ضرورتیں پورا کرنے میں حکومت کا جو خرچ ہوتا ہے اس کا مناسب مقدار کی حد تک وصول کرنا تو حکومت کے لئے جائز ہے جیسے آبیانہ وغیرہ لیکن اس کے علاوہ دوسرے قسم کے ٹیکس وصول کرنے کے لئے چند شرائط ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ حکومت کے جائز مصارف اگر جزیہ، خراج، فئی اور مال غنیمت وغیرہ سے پورے نہیں ہوتے ہیں تو حکومت کے لئے ٹیکس لگانا جائز ہے اور عوام کے لئے اس قانون کی پابندی لازم ہو گی۔ بشرطیکہ یہ ٹیکس بقدر ضرورت ہو اور لوگوں کے لئے قابل برداشت ہو اور ٹیکس وصول کرنے کا جو طریقہ ہے وہ لوگوں کے لئے ایذا رسانی کا باعث بھی نہ ہو۔"

ترمذی و ابن ماجہ کی ایک حدیث میں آنحضرتؐ نے مسلمانوں پر صرف زکوۃ کی فرضیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اذا ادیت زکوۃ مالک فقد قضیت ما علیک۔

ترجمہ :۔ جب تو اپنے مال کی زکوۃ ادا کرے تو جو کچھ تجھ پر فرض تھا تو نے اسے پورا کر دیا۔ (۲۱)

علامہ شوکانی کی تحقیق یہ ہے کہ:

ای لیس علیهم غیر الزکوۃ من الضرائب والمکس۔ (۲۲)

ترجمہ :۔ مسلمانوں پر سوائے زکوۃ کے کوئی ٹیکس وغیرہ نہیں

علامہ ناصر الدین نے دونوں روایات کو ضعیف سنن ترمذی (بیروت ۱۹۸۸ء ص ۷۶) اور ضعیف سنن ابن ماجہ (بیروت ۱۹۹۱ء ۲: ص ۱۳۹) میں ضعیف قرار دیا ہے۔

ابوالحسن الماوردی نے نبی اکرمؐ کے ارشاد کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھا ہے:

ولا یجب علی المسلم فی ماله حق سواها۔ (۲۳)

ترجمہ :۔ مسلمانوں کے مال میں سوائے زکوۃ کے اور کچھ فرض نہیں۔

علامہ علاء الدین علی بن حسام الدین الہندی المتوفی ۹۷۵ھ نے نقل کیا ہے:

ان تمام اسلامکم ان تودوا زکوۃ اموالکم۔ (۲۴)

ترجمہ :۔ تمہارا اسلام کو پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے مالوں کی زکوۃ ادا کرو۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب عامل بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا:

ان الله افترض علیهم صدقة فی اموالهم توخذ من اغنیاءهم و ترد علی فقرائهم (۲۵)

ترجمہ :۔ بے شک اللہ تعالی نے ان کے مالوں میں صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے امیروں سے لیا جائے گا اور ان کے غریبوں پر لوٹایا جائے گا۔

دوسری روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا:

فاخبرهم ان الله فرض علیهم زکوۃ فی اموالهم۔

ترجمہ :۔ پس ان کو آگاہ کر دینا کہ بے شک اللہ نے ان کے مالوں میں زکوۃ فرض کی ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت انسؓ کو بحرین کا عامل بناتے ہوئے تحریری حکم دیا۔

بسم الله الرحمن الرحیم

هذه فریضة الصدقة التی فرض رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المسلمین والتی امر الله بها رسوله فمن سئلها من المسلمین علی وجهها فلیعطها ومن سئلها فوقها فلا یعطه (۲۶)

ترجمہ :۔ اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ صدقہ کا وہ فریضہ ہے جو رسول اللہؐ نے مسلمانوں پر فرض کیا اور یہ وہی ہے جس کا حکم اللہ تعالی نے اپنے رسولؐ کو دیا۔ پس مسلمانوں میں سے جس سے فریضہ کے مطابق طلب کیا جائے وہ ادا کرے اور جس سے اس سے زیادہ مانگا جائے وہ نہ دے۔

مولانا فضل الرحمان بن میاں محمد نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے:

اسلامی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ رسول اللہؐ کے عہد مبارک میں حکومت اور مسلمانوں کو جتنی مال کی ضرورت تھی بعد میں وہی صورت کبھی بھی سامنے نہیں آئی۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملتی جس سے پتہ چلے کہ رسول اللہؐ یا خلفائے راشدین نے زکوۃ اور عشر کے علاوہ زبردستی ٹیکس لگا کر مال وصول کیا ہو۔ نبی کریمؐ کو جب بھی ضرورت پیش آئی تو آپ نے رضاکارانہ طور پر صدقہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ غزوہ تبوک اس کی بہترین مثال ہے۔ (۲۷)

مفتی غلام سرور نے اپنی یہ رائے دی ہے کہ:

ضرائب یعنی ہنگامی ٹیکس بھی بیت المال کے لئے ہوتے ہیں اگر کفار کے ساتھ جنگ ہو جائے اور بیت المال خالی ہو اور لوگوں کو ان کی ضروریات میسر نہ آ رہی ہوں جس سے تباہی و بربادی اور ہلاکت کا قوی اندیشہ منڈلا رہا ہو اور غنی و سرمایہ دار لوگ بھی وہ تمام مالی حقوق ادا کر چکے ہوں جو ان پر عائد ہوتے تھے لیکن ابھی بھی ملکی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں یا قحط سالی سے بربادی و ہلاکت کا قوی اندیشہ بدستور باقی

ہو تو اس صورت میں سرمایہ داروں پر ہنگامی اور وقتی ٹیکس لگائے جا سکتے ہیں۔ ضرائب (ہنگامی امداد) سے اگر اہل استطاعت گریز کرنے لگیں تو حکومت اسلامیہ ان سے جبری طور پر بھی امداد لے سکتی ہے۔ لیکن نظام مصطفےٰ میں ان موجودہ بے ہنگم ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں جو حکومتیں عوام پر بلا جواز مسلط کرتی ہیں۔ (۲۸)

حوالہ جات

۱۔ ابوالاعلیٰ مودودی' معاشیات اسلام' ص ۳۶۹ تا ۳۷۰۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

Amercana: Vol:26 p: 287

2- The Encyclopedia of public finance by Dr.G.Finlay

3- The Science in under deueloped countries by

4- Fiscal policy

ا- Challiah (London 1960: p 61)

- Raja

۵۔ ابوالکلام آزاد۔ حقیقت زکوۃ مطبع لاہور ۱۹۵۰ء ص ۴۴

۶۔ نور محمد غفاری۔ اسلام کا قانون محاصل۔ ص ۴۲

۷۔ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمان الدارمی۔ سنن الدارمی (باب ما یجب فی مال سوی الزکوۃ) مکتبہ داراحیاء السنۃ والسنویہ۔ ج ۱ ۔ ص ۳۹۵

۸۔ عبدالرحمان مبارکپوری۔ تحفۃ الاحوذی۔ ج دارلکتاب العربی بیروت۔ ج ۲۔ ص ۲۲

۹۔ ابن العربی۔ عارضۃ الاحوذی بشرح الصحیح الترمذی۔ ج ۳۔ ص ۱۶۲ تا ۱۶۳

۱۰۔ محمد یوسف بنوری۔ معارف السنن (الجزء الخامس) طبع ثانی ۱۳۹۵ھ مکتبہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی) ص ۲۶۹

۱۱۔ محمد بن عبداللہ علوی (شارح) سنن ابی ماجہ مع شرح مفتاح الحاجہ۔ ادارہ احیاء السنۃ والسنویہ ۱۳۹۴ھ سرگودھا) ص ۱۲۹

۱۲۔ امام جلال الدین سیوطی۔ تدریب الراوی (دارالنشر الکتب الاسلامیہ لاہور) ج ۱۔ ص ۲۶۶

۱۳۔ ابن حزم ۔ المحلی ج ۴۔ ص ۳۵۲

۱۴۔ ابن ہمام۔ فتح القدیر۔ کتاب الکفالہ۔ ج ۵۔ ص ۴۲۲

۱۵۔ الماوردی۔ الاحکام السلطانیہ۔ مطبع قاہرہ۔ ص ۱۹۸

۱۶۔ سید قطب شہید۔ العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام (اردو ترجمہ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی) اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور ۱۹۸۵ء۔ ص ۳۵۶ تا ۳۶۱

۱۷۔ مسائل زکوۃ و عشر۔ مرکزی زکوۃ انتظامیہ اسلام آباد ص ۲۵۱ تا ۲۵۲

۱۸۔ اسلام کا زرعی نظام
احسن اکیڈمی کراچی ۔ ص ۲۷۷

۱۹۔ یوسف قرضاوی۔ فقہ الزکوۃ ۔ ج ۲۔ ص ۲۲۹ تا ۲۳۰

۲۰۔ شیخ محمد شلتوت۔ مقارنۃ المذاہب فی الفقہ۔ قاہرہ بحوالہ مسائل زکوۃ و عشر۔ ص ۲۵۲

۲۰ اے۔ مودودی۔ معاشیات اسلام۔ ص ۳۷۱ تا ۳۷۲

۲۱۔ ترمذی شریف۔ ج ۱۔ ص ۱۰۷ و ابن ماجہ ص ۱۲۸

۲۲۔ نیل الاوطار۔ ج ۸۔ ص ۲۴

۲۳۔ الاحکام السلطانیہ۔ ص ۱۱۳

۲۴۔ کنز العمال (موسستہ الرسالہ بیروت) ج ۱۔ ص ۲۹۴

۲۵۔ بخاری الصحیح۔ ص ۱۸۷ و مسلم۔ ج ۱۔ ص ۱۰۰ (ترجمہ علامہ وحید الزمان) کتاب الایمان۔ باب الدعاء الی شہادتین۔ (باب لا یوخذ منکرائم اموال الناس فی الصدقۃ) ص ۱۹۴

۲۶۔ بخاری الصحیح۔ ص ۱۹۵
نیل الاوطار ۔ ج ۴۔ ص ۱۳۳

۲۷۔ مولانا فضل الرحمان بن میاں محمد۔ انکم ٹیکس کی شرعی حیثیت۔ دارالدعوۃ السلفیہ۔ شیش محل روڈ لاہور۔ ص ۳۷

۲۸۔ غلام سرور قادری۔ معاشیات نظام مصطفےٰ۔ ص ۳۴۔ ۱۳۳

نماز کی سائنسی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے نماز کی اہمیت قرآن پاک میں متعدد جگہ بیان فرمائی ہے۔ ہمارے پیارے اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے اسے جنت کی کنجی قرار دیا ہے۔ یاد رکھئے نماز صرف عبادت ہی نہیں ہماری ضرورت بھی ہے۔ ذرا غور تو کیجئے دن بھر میں پانچ مرتبہ ہاتھ' منہ' پاؤں صاف کرنا' دانت صاف کرنا' وقت کی پابندی کرنا ہماری صحت اور ہماری تندرستی میں کتنی اہمیت کی حامل ہیں۔ پھر نماز پڑھنے کی حالتیں یعنی قیام' رکوع' سجدے وغیرہ ہر ہر ادا' ہر ہر حالت بہت بڑی نیکی ہے۔ یہ ایسی عبادت ہے جس میں قلبی اور اعصابی نظام یکجا ہو کر ذہن کو سکون اور دل کو اطمینان بخشتے ہیں۔ سائنسی طور پر یہ بات طے ہو چکی ہے کہ نماز انسانی جذبوں کی تسکین کا سبب ہے۔ دوران خون کی باقاعدگی کا نظام ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب آپ سجدے کی حالت میں ہوتے ہیں تو دل اور دماغ کتنا ہم آہنگ ہوتا ہے' خون دماغ کی طرف جاتا ہے اور دماغ کو تقویت ملتی ہے۔ نماز صرف روحانی علاج نہیں' سائنسی تحقیق کے مطابق بدن کے لئے انتہائی مفید بھی ہے۔ کیونکہ نماز اعصاب کو مقوی اور توانا رکھنے کے ساتھ ساتھ عقیدے اور ارادے کو مضبوط کرتی ہے۔ نماز ذہن کی راہیں ہموار اور کشادہ کرتی ہے اور ہم بہتر انداز سے سوچ سمجھ سکتے ہیں۔